مسلم پرسنل لا

اخلاقی اور قانونی مسائل

مسلم پرسنل لا بیداری مہم

۲۳/اپریل تا ۷/مئی ۲۰۱۷ء

جماعت اسلامی ہند

D-321، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

فون نمبر: 011-26951409, 26941401, 26948341

فیکس نمبر: 011-26950975

Email:markazjih@gmail.com

Website:jamaateislamihind.org

نام کتاب : مسلم پرسنل لا اخلاقی اور قانونی مسائل
صفحات : ۴۰
اشاعت : مارچ ۲۰۱۷ء
ناشر : مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
فون: ۲۶۹۸۱۶۵۲، ۲۶۹۸۴۳۴۷ فیکس:۲۶۹۸۷۸۵۸
E-mail: mmipublishers@gmail.com
Website:mmipublishers.net
مطبوعہ : ڈی پی پرنٹرز اینڈ بائنڈر، اوکھلا-۱، نئی دہلی-۲۰

MUSLIM PERSONAL LAW
AKHLAQI AUR QANOONI MASAEL (Urdu)
Pages:40

ترتیب

مسلم پرسنل لا-اخلاقی اور قانونی مسائل	۵
موجودہ صورتِ حال	۵
مسلم پرسنل لا کیا ہے؟	۵
اسلام کے عائلی قوانین پر اعتراضات	۷
نکاح کا اسلامی تصور	۷
اسلام نے نکاح کو آسان بنایا ہے	۱۰
نکاح کی مسرفانہ رسوم	۱۱
تعدّدِ ازواج	۱۲
نظام خاندان میں مرد اور عورت کا دائرۂ کار	۱۳
زوجین کے حقوق اور فرائض	۱۶
زوجین کے درمیان عدمِ موافقت کا حل	۱۸
اختلافات دور کرنے میں اہلِ خاندان کا تعاون	۱۹
طلاق۔ایک ناخوش گوار ضرورت	۲۰
طلاق کی قسمیں	۲۱
طلاق کے طریقے	۲۱

تین طلاق کا مسئلہ ۲۳
منصوبہ بند حلالہ ممنوع ہے ۲۴
خلع ،مباراۃ اور تفریق ۲۵
تفویض طلاق ۲۶
عدّت کی صورتیں اور احکام ۲۶
مطلّقہ کی کفالت کیسے ہو؟ ۲۷
حضانت ۲۸
اسلام کا قانون وراثت ۲۹
وراثت کی بعض صورتوں میں عورت کا حصہ کم ہونے کا سبب ۳۱
یتیم پوتوں پوتیوں کی کفالت کیسے ہو؟ ۳۲
متبنّیٰ (لے پالک) کا مسئلہ ۳۴
مسلم پرسنل لا پر عمل ضروری کیوں؟ ۳۶
موجودہ حالات کی نزاکت اور ہماری ذمہ داریاں ۳۷
مسلم پرسنل لا کے موضوع پر چند قابل مطالعہ کتابیں ۳۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلم پرسنل لا۔ اخلاقی اور قانونی مسائل

موجودہ صورتِ حال

ہمارے ملک میں آزادی کے بعد ہی سے مسلمانوں کے عائلی قوانین (Muslim Personal Law) کے خلاف برابر آوازیں اٹھتی رہی ہیں اور ان قوانین کو ختم کرنے کی سازشیں کی جاتی رہی ہیں، البتہ حالیہ دنوں میں اس معاملے میں بہت تیزی آئی ہے اور حکومت کے عزائم کھل کر سامنے آگئے ہیں۔ ایک غیر مسلم جوڑے سے متعلق ایک کیس کی سماعت کے دوران سپریم کورٹ نے تین طلاق اور تعدّدِ ازواج کے خلاف جو انداز اختیار کیا ہے، لا کمیشن نے جس طرح سوال نامے جاری کیے ہیں اور خود مرکزی حکومت کا جو موقف سامنے آیا ہے، اس نے مسلم تنظیموں، علما اور دانش وروں، سماجی کارکنوں اور سنجیدہ افراد میں بجا طور پر تشویش کی لہر دوڑا دی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کا نوٹس لیا جائے، اس معاملے میں مسلمانوں میں بیداری لائی جائے، ان کے اندر اسلام کے عائلی قوانین پر عمل کا جذبہ پیدا کیا جائے، برادرانِ وطن کو بھی سمجھایا جائے کہ مسلمانوں کے عائلی قوانین قرآنی احکام کا حصہ اور عدل وانصاف پر مبنی ہیں اور حکومت کو بھی واضح طور پر یہ پیغام دیا جائے کہ مسلمان کسی بھی صورت سے اللہ کی عطا کردہ شریعت میں مداخلت نہیں کر سکتے، خواہ انھیں اس کے لیے کتنی ہی قربانیاں کیوں نہ دینی پڑیں۔

مسلم پرسنل لا کیا ہے؟

اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں میں راہ نمائی کرتا اور ایمان لانے والوں کے لیے قوانین عطا کرتا ہے۔ ان قوانین کا ایک حصہ وہ ہے جس میں خاندانی نظام سے متعلق

ہدایات دی گئی ہیں اور افرادِ خاندان کے حقوق اور ذمے داریوں کی تعیین کی گئی ہے۔ انھیں عربی میں 'قوانین احوال شخصیہ'، اردو میں 'عائلی قوانین' اور انگریزی میں Personal Law یا Family Law کہا جاتا ہے۔

ہندستان میں مسلم دورِ حکومت میں زندگی کے بیش تر شعبوں میں اسلامی قوانین نافذ تھے اور مسلمان ان پر عمل پیرا تھے، لیکن جب ملک کی زمامِ اقتدار انگریزوں کے ہاتھ میں آئی تو انھوں نے آہستہ آہستہ اسلامی قوانین کی جگہ برطانوی قوانین نافذ کرنے شروع کیے۔ پہلے فوج داری قانون ختم کیا، پھر قانونِ شہادت اور قانون معاہدات منسوخ کیے، پھر عائلی قوانین کو بدلنے کی تیاری کی جانے لگی۔ اس وقت مسلم علما حرکت میں آئے۔ انھوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ ان کی کوشش کے بعد ۱۹۳۷ء میں 'شریعت اپلیکیشن ایکٹ' منظور ہوا۔ اس کی رو سے نکاح، طلاق، خلع، مباراۃ، فسخِ نکاح، حضانت، ہبہ، وصیت، وراثت وغیرہ سے متعلق معاملات میں اگر دونوں فریق مسلمان ہوں تو ان کا فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق ہوگا، خواہ ان کا عُرف اور رواج کچھ بھی ہو۔ قانونِ شریعت کو عُرف و رواج پر بالادستی حاصل ہوگی۔ اسی کو اب 'مسلم پرسنل لا' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ملک کی آزادی کے بعد جب آئین مرتب ہوا تو اس میں 'بنیادی حقوق' کے ذیل میں تمام شہریوں کے لیے عقیدہ و ضمیر کی آزادی اور ہر مذہب کے ماننے والوں کے لیے اپنے مذہب پر عمل کی آزادی کی دفعات شامل کی گئیں۔ یہ دفعات مسلم پرسنل لا کے تحفّظ کی ضمانت دیتی ہیں، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ساتھ ہی دستور کے 'رہ نما اصولوں' میں ایک دفعہ (دفعہ نمبر ۴۴) یہ بھی رکھ دی گئی کہ حکومت ملک میں 'یکساں سول کوڈ' تشکیل دینے کی کوشش کرے گی۔ یہ دونوں باتیں آپس میں ٹکراتی ہیں، اسی لیے دستور ساز اسمبلی کے مسلم ارکان نے اس وقت اس پر اعتراض کیا تھا، لیکن پھر بھی یکساں سول کوڈ سے متعلق یہ دفعہ دستور میں شامل رہی۔ اسی کو بنیاد بنا کر وقتاً فوقتاً مسلم پرسنل لا کو ختم کرنے اور ملک میں یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ملکی عدلیہ بھی ایسے فیصلے سناتی ہے جو مسلم پرسنل لا سے متصادم ہوتے ہیں۔

اسلام کے عائلی قوانین پر اعتراضات

ان دنوں ایک منصوبہ بند سازش کے تحت پورے ملک میں مسلم پرسنل لا کے خلاف ایک مہم چھیڑ دی گئی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اس کے تحت مسلمان عورتوں پر ظلم ہوتا ہے۔ اسلام کا عائلی قانون عورتوں کے ساتھ عدل وانصاف نہیں کرتا، لہٰذا انھیں انصاف دلانا دستور کے مطابق حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس پہلو سے اسلام کے عائلی قوانین کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ مثلاً کہا جا رہا ہے کہ طلاق کا حق مرد کو دیا گیا ہے، جب کہ اگر عورت شوہر کے ظالمانہ رویّہ کی وجہ سے اس سے گلوخلاصی چاہے تو اسے اس کا کوئی اختیار نہیں۔ مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں (چار تک) رکھنے کی اجازت ہے، جب کہ یہ عورت کے وقار اور اس کے مرتبے کے خلاف ہے۔ مطلّقہ عورت کی کفالت کا اسلام میں کوئی نظم نہیں۔ وراثت میں عورت کا حصہ مرد سے نصف رکھا گیا ہے۔ کوئی فیملی کسی بچے کو گود لینا اور اسے اپنی اولاد کا درجہ دینا چاہے تو اسلامی قانون اس کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ اور اس نوعیت کے بہت سے اعتراضات کیے جاتے ہیں اور اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں۔ اس طرح اسلامی قوانین کو ظالمانہ، عورتوں کے حقوق پامال کرنے والا اور عہدِ ظلمت کی یادگار قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دوسری طرف خود مسلمان قوانین شریعت سے کما حقہ واقف اور پوری طرح ان پر عمل پیرا نہیں ہیں۔ چناں چہ وہ اپنے آپسی تنازعات کو دارالقضا سے حل کرانے کے بجائے ملکی عدالتوں میں لے جاتے ہیں، جہاں بسا اوقات شریعت کے خلاف فیصلے صادر کیے جاتے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ سطور میں اسلام کے عائلی قوانین کی مختصر وضاحت کر دی جائے، تاکہ ان پر کیے جانے والے اعتراضات رفع ہو سکیں اور ان کی معقولیت واضح ہو جائے۔

نکاح کا اسلامی تصور

نکاح ایک معاشرتی اور دینی ضرورت ہے، جو تمام مذاہب میں رائج ہے۔ اسلام میں نکاح کا جو تصور دیا گیا ہے وہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اسلام کے علاوہ کہیں اس کی

نظیر نہیں ملتی۔

جنسی جذبہ انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ بسا اوقات اس کی تکمیل کے لیے انسانوں نے عجیب وغریب طریقے اختیار کیے ہیں۔ کچھ کوتاہ بیں سمجھتے ہیں کہ یہ بہت قبیح عمل ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ انسان اس وقت تک روحانی ترقی نہیں کرسکتا جب تک وہ اپنے اس جذبے کو نہ دبائے اور نہ کچلے۔ ہم جانتے ہیں کہ عیسائی رہبانیت اور ہندو جوگ میں یہ تصور پایا جاتا ہے، یعنی جنسی جذبے کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس کی ترغیب بھی دی جاتی ہے۔ دوسری طرف کچھ انتہا پسند لوگوں نے اس کو پورا کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی ہے۔ ان کے یہاں کوئی پابندی نہیں ہے۔ انسان جس طرح چاہے اپنے جنسی جذبے کی تسکین کرلے۔

جنسی تسکین کے معاملے میں اسلام نے اعتدال وتوازن کو ملحوظ رکھا ہے۔ اس نے نہ تو جنسی جذبہ کو دبانے اور کچلنے کی ترغیب دی ہے اور نہ کھلی چھوٹ دے دی ہے کہ اس کے لیے جو طریقہ چاہے اختیار کرلیا جائے۔ بہ الفاظ دیگر وہ نہ تو رہبانیت کا قائل ہے اور نہ اباحیت کا، بلکہ اس نے جنسی تسکین کے لیے نکاح کی تعلیم دی ہے۔ اس نے سماج کو یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے اندر جو غیر شادی شدہ ہوں ان کے نکاح کراؤ اور وہ نوجوان یا وہ لوگ جو غیر شادی شدہ ہوں، ان کو بھی تاکید ہے کہ وہ شادی کے بندھن میں بندھ جائیں۔ (النور: ۳۲)

قرآن سماج کی یہ ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ ان کے درمیان کوئی بھی شخص، خواہ وہ کسی بھی عمر کا ہو، بغیر نکاح کے نہ رہے۔ ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوّج فانّه اغضّ للبصر وأحصن للفرج (صحیح بخاری: ۱۹۰۵، صحیح مسلم: ۱۴۰۰)

''اے نوجوانو! تم میں سے جو بھی نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، اسے نکاح کرلینا چاہیے۔ اس لیے کہ اس سے نگاہوں کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور شرم گاہ کی جنسی جذبہ کی حفاظت ہوتی ہے۔''

صالح تمدن اور پاکیزہ انسانی معاشرہ کا دارومدار مرد وعورت کے جائز جنسی تعلق پر

ہے، جو صرف نکاح ہی کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ نکاح ہی کے ذریعے مرد اور عورت کے اندر احساس ذمہ داری پیدا ہوتا ہے اور وہ مل کر اولاد کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں۔ نکاح ہی کے ذریعے ان کے اندر باہم ہمدردی، ایثار، قربانی، محبت والفت، شفقت اور تعاون کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو انسانی معاشرہ خود غرض درندوں کی ایک بھیڑ کے مثل ہوگا، جس کے پیش نظر جنسی خواہش کی تسکین کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہوگی۔

قرآن وحدیث میں نکاح کے متعدد مقاصد بیان کیے گئے ہیں:

(۱) اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے عصمت وعفت کی حفاظت ہوتی ہے اور انسان شیطان کے پھندوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ (النساء: ۲۴، ۲۵)

(۲) اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ زوجین کے درمیان الفت ومحبت ہو، وہ ایک دوسرے کے ذریعے سکون وراحت حاصل کریں اور ان کا باہمی تعلق وقتی اور ہنگامی مصلحتوں سے بالاتر ہو کر مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہو۔ (الروم: ۲۱)

(۳) اس کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے نسل انسانی میں اضافہ ہو، مستحکم خاندان وجود میں آئے اور تہذیب وتمدن تشکیل پائے۔ (النحل: ۷۲)

نکاح اسلام میں قانونی طور پر محض دو الفاظ سے ہو جاتا ہے۔ انھیں ایجاب وقبول کہتے ہیں۔ یعنی لڑکا یا لڑکی میں سے کوئی خود یا اس کا وکیل نکاح کی خواہش کا اظہار کرے اور دوسرا گواہوں کی موجودگی میں اسے قبول کر لے، بس نکاح ہو گیا۔ خواہش کرنے والے کے الفاظ کو 'ایجاب' اور منظوری دینے والے کے الفاظ کو 'قبول' کہا جاتا ہے۔ ان کی حیثیت رکن کی ہے کہ ان کے بغیر نکاح ہوگا ہی نہیں۔ نکاح کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کا اعلان کیا جائے، خفیہ اور پوشیدہ طریقے پر اسے انجام نہ دیا جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ایجاب وقبول دو گواہوں کی موجودگی میں ہو۔

اسلام میں نکاح کے معاملے میں عورت کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ کسی بالغ لڑکی کا نکاح کسی لڑکے سے اس کی مرضی کے خلاف نہیں کیا جا سکتا۔ نکاح کے معاملے میں اسے آزادی دی گئی ہے کہ وہ جس کو چاہے پسند کرے۔ اسے کھل کر اپنی خواہش کے اظہار کی

آزادی ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

استأمروا النساء في أبضاعهن (النسائی:۳۲۶۶)

''عورتوں کا نکاح ان سے اجازت لے کر کیا کرو۔''

اسلام نے نکاح کو آسان بنایا ہے

اسلامی تعلیمات میں اس سے آگے کی چیز ملتی ہے، جو سب کے لیے قابل توجہ ہے۔اسلام نے زنا کو مشکل سے مشکل تر کیا ہے،اس کے متعلق سخت وعید آئی ہے، اسے انتہائی فحش کام قرار دیا گیا ہے۔(بنی اسرائیل:۳۲)اور اس کی سزا یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کے مرتکب شخص کو سو[۱۰۰] کوڑے مارے جائیں اور اگر وہ شادی شدہ ہے تو اسے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔اس کے مقابلے میں نکاح کو بہت آسان بنایا گیا ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادات، آپؐ کا اسوہ اور صحابہؓ کا عمل ہمارے سامنے ہے۔آپؐ کا ارشاد ہے:

أعظم النكاح بركةً أيسره مؤنةً (مسند احمد)

''سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے، جس میں کم سے کم خرچ ہو''۔

اس سے آگے کی بات یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہؓ کے زمانے میں اس کا کوئی تصور نہیں تھا کہ مطلقہ یا بیوہ عورت گھر میں بیٹھی رہے۔ایک عورت کی کسی وجہ سے طلاق ہوگئی ہو یا وہ بیوہ ہوگئی ہو تو اس کی دوسری شادی ہوجاتی تھی، تیسری شادی ہوجاتی تھی، چوتھی شادی ہوجاتی تھی۔عمر کے کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔کم عمر لڑکیوں کی شادی بڑی عمر کے مردوں سے ہوجاتی تھی اور زیادہ عمر کی عورتوں کی شادی نوعمر لڑکوں سے ہوجاتی تھی۔اس معاملہ میں کوئی روک ٹوک اور دشواری نہیں تھی۔

ایک خاتون تھیں حضرت عاتکہؓ۔حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ان سے نکاح کیا۔وہ شہید ہوگئے تو حضرت زید بن الخطابؓ نے ان سے نکاح کرلیا۔وہ شہید ہوگئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے نکاح کیا۔وہ شہید ہوگئے تو حضرت حسن بن علیؓ نے ان سے نکاح کرلیا۔اس طرح سے ان کا لقب زوجة الشهداء (شہیدوں کی بیوی) پڑ گیا

تھا۔ (اسد الغابۃ، ابن اثیر: ۷/۱۹۹، ۲۰۰) حضرت اسماء بنت عمیسؓ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی بیوی تھیں۔ وہ جنگ موتہ میں شہید ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان سے نکاح کرلیا۔ حضرت ابوبکرؓ کا جب انتقال ہوگیا تو حضرت علیؓ نے ان سے نکاح کیا۔

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ بہت مشہور صحابیہ ہیں۔ ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی تو ان کے پاس تین [۳] رشتے آگئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس فلاں فلاں رشتے آئے ہیں، بتایئے، ان میں سے کون سا رشتہ میرے لیے بہتر ہوگا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر مجھ سے رائے لیتی ہو تو تم ان کے بجائے اسامہ بن زیدؓ سے نکاح کرلو۔ چناں چہ انھوں نے حضرت اسامہؓ سے نکاح کرلیا۔ وہ خود بیان کرتی ہیں کہ میرا یہ رشتہ بہت بابرکت ثابت ہوا۔ (مسلم: ۱۴۸۰)

نکاح کی مسرفانہ رسوم

لیکن افسوس کہ مسلم سماج میں نکاح کی بہت سی مسرفانہ رسوم عام ہوگئی ہیں۔ ان کے ذریعے دل کے ارمان نکالے جاتے ہیں، پُر تکلف دعوتیں ہوتی ہیں۔ دولہا دلہن اور قریب و دور کے رشتے داروں کے جوڑے تیار کیے جاتے ہیں۔ ڈھول، باجا، سلامی، جہیز، تلک، بارات، چوتھی اور نہ جانے کون کون سی رسمیں ایجاد کرلی گئی ہیں، جن کی پابندی لازمی سمجھی جاتی ہے۔ ان گراں بار مصارف کی وجہ سے لڑکیوں کے سرپرستوں کو بھاری قرض تک لینے کی نوبت آجاتی ہے۔ انھی اسباب سے بہت سی کنواری لڑکیاں بیٹھی رہ جاتی ہیں اور ان کے رشتے نہیں مل پاتے۔ یہ ساری رسمیں مسلمانوں نے دیگر سماجوں سے درآمد کرلی ہیں۔ اس طرح انھوں نے بھاری بیڑیاں اپنے پیروں میں ڈال لی ہیں۔

اسلام میں جہیز کا کوئی تصور نہیں ہے۔ عہد نبوی میں جتنی شادیاں ہوئیں، کسی میں بھی جہیز کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ آج معاشرہ میں جس بڑی مقدار میں اور جس دکھاوے کے ساتھ جہیز کا لین دین ہوتا ہے، اس کی دین میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی ازواج کا مہر پانچ سو درہم تھا۔ یہی مہر حضرت فاطمہؓ کا بھی تھا۔ حالاں کہ حضرت علیؓ شروع ہی سے

آپؐ کے پروردہ تھے، آپؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ جب نکاح کا موقع آیا تو آپؐ نے ان سے پوچھا: تمہارے پاس کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: میری ذاتی ملکیت میں کچھ نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس جو زرہ ہے اسے بیچ لاؤ۔ انھوں نے زرہ بیچی۔ اس سے جو رقم وصول ہوئی اس سے آپؐ نے گھر گرہستی کا سامان خریدوایا اور اسی سے مہر ادا کروایا۔

اسی طرح عہد نبوی میں ہونے والی شادیوں میں بارات کا کوئی تصور نہیں تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا شمار مدینہ کے انتہائی مال داروں میں ہوتا تھا۔ ان کا جب نکاح ہوا تو انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو بھی بلانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ بعد میں جب آپؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے ان سے فرمایا: ''اے عبدالرحمٰن! ولیمہ کرو، چاہے اس میں ایک بکری ہی ذبح کرو۔'' (بخاری: ۵۰۷۲، مسلم ۱۴۲۷) غور کرنے کا مقام ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی ذات کتنی بابرکت اور محترم تھی۔ ایک چھوٹی بستی میں نکاح کی مجلس ہوتی ہے، لیکن آپؐ کو بلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔

ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں سنجیدہ اور باشعور افراد ان بے جا مسرفانہ رسموں کے خلاف تحریک چلائیں اور نکاح کو سادہ اور آسان بنانے کی کوشش کریں۔

تعدّدِ ازواج

اسلام نے عدل کے ساتھ تعدّدِ ازواج کی اجازت دی ہے، یعنی مرد بہ یک وقت ایک سے زائد بیویاں رکھ سکتا ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ حد چار مقرر کی گئی ہے۔ (النساء: ۳) اسلام کی مخالفت کرنے والے اس کی اس تعلیم کو نشانہ بناتے ہیں اور اس پر بے جا اعتراضات کرتے ہیں۔ اس پر کئی پہلوؤں سے غور کرنے کی ضرورت ہے:

اولاً: یہ اسلام کا حکم نہیں ہے کہ اس کو ماننا اور اس پر عمل کرنا تمام لوگوں کے لیے ضروری ہو، بلکہ یہ اجازت ہے کہ اگر آدمی حقیقی ضرورت محسوس کرے تو ایک سے زیادہ (چار تک) نکاح کرسکتا ہے۔

ثانیاً: کبھی بھی غیر معمولی حالات پیش آسکتے ہیں، مثلاً جنگیں پہلے بھی ہوتی تھیں اور

اب بھی جاری ہیں۔ اگر کبھی کسی علاقہ میں بڑے پیمانے پر مرد ہلاک ہو جائیں اور عورتوں کا تناسب زندہ بچ جانے والے مردوں سے کہیں زیادہ ہو تو تعدّدِ ازواج کے ذریعہ اس مسئلہ پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو بدکاری اور اباحیت عام ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

ثالثاً: بسا اوقات انفرادی حالات بھی تعدّدِ ازواج کا تقاضا کرتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کی بیوی کسی شدید مرض میں مبتلا ہو، جس کی وجہ سے وہ وظیفۂ زوجیت ادا کرنے سے قاصر ہو۔ اب یا تو آدمی اسے طلاق دے کر دوسرا نکاح کر لے، یا اسے بھی بیوی کی حیثیت سے باقی رکھے، یا کسی شخص کی کوئی رشتہ دار عورت مطلّقہ یا بیوہ ہو جائے اور اسے سہارے کی ضرورت ہو۔

رابعاً: قرآن نے تعدّدِ ازواج کو عدل کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ اس نے جہاں چار عورتوں تک سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے، وہیں ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (النساء:۳)

''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔''

خامساً: یہ مفروضہ غلط ہے کہ مسلمانوں میں تعدّدِ ازواج کا چلن بہت زیادہ ہے۔ ہندستان میں ہر دس سال پر آبادی کے جو اعداد و شمار جمع کیے جاتے ہیں ان کے مطابق مسلمانوں میں تعدّدِ ازواج کا تناسب ہندوؤں سے کم ہے، جب کہ ہندو سماج کو ایک بیوی کے ہوتے ہوئے قانوناً دوسری بیوی کی اجازت نہیں ہے۔

نظامِ خاندان میں مرد اور عورت کا دائرۂ کار

اسلام نے مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوات کا اعلان کیا اور زندگی کے مختلف میدانوں، مثلاً تعلیم، معاشی جدّ و جہد اور ملکیت وغیرہ میں عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق عطا کیے۔ مغرب میں عورتوں کو جو حقوق لمبے چوڑے مطالبات، زبردست احتجاجات اور مظاہروں اور طویل عرصے تک تحریکیں چلانے کے بعد انیسویں اور بیسویں صدی میں حاصل ہو سکے ہیں، اسلام نے صدیوں پہلے سے انھیں ان سے بہرہ ور کیا ہے۔

لیکن مردوں اور عورتوں کے حقوق میں مساوات کا مطلب فرائض اور ذمہ داریوں میں یکسانیت نہیں ہے۔ اسلام نے دونوں کا دائرۂ کار الگ الگ متعین کیا ہے۔ کاموں کی یہ تقسیم ان کی فطرت کے عین مطابق ہے۔ عورتوں کو بچوں کی پیدائش، پرورش اور گھر کی دیکھ بھال کا کام سونپا گیا ہے، جب کہ مردوں پر خاندان کی کفالت کا بار ڈالا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

الرجل راعٍ على أهل بيته وهو مسئول عن رعيّته، والمرأة راعية على أهل بيت زوجها وولده وهي مسئولة عنهم.

(صحیح بخاری:۷۱۳۸، صحیح مسلم:۱۸۲۹)

''مرد اپنے گھر والوں کا نگراں ہے، اس سے اس کی زیر نگرانی لوگوں سے متعلق سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کے بچوں کی نگراں ہے۔ اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا۔''

عورت کی اس اہم ذمہ داری کی بحسن وخوبی انجام دہی کے لیے اس کے فرائض میں گھر سے باہر کے کام اور معاشی دوڑ دھوپ کو شامل نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس کی کفالت کرنے اور اس کا نان ونفقہ فراہم کرنے کی ذمہ داری مرد پر ڈالی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام نے عورت کو مرد کا دست نگر اور محکوم بنا دیا ہے اور مرد کو اس پر حاکمانہ اور جابرانہ اختیارات دے دیے ہیں۔ عورت کو معاشی تگ ودو سے آزاد رکھنا اس کا اعزاز ہے، نہ کہ اس کی حیثیت کے کم ہونے کا مظہر۔ اسی طرح اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اگر کوئی عورت معاشی جدوجہد کرنا چاہے تو اسلام نے اسے اس سے روکا ہے۔ اگر وہ اپنی بنیادی ذمے داریاں ادا کرتے ہوئے اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے ایسا کرنا چاہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس کے نتیجے میں اسے جو کچھ آمدنی حاصل ہوگی، اس پر اسے پورا اختیار ہوگا۔

اسلام میں مرد اور عورت فریق نہیں، بلکہ رفیق ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے حریف نہیں، بلکہ حبیب ہیں۔ ہر ایک کے حقوق متعین کر دیے گئے ہیں اور ہر ایک کے فرائض اور ذمہ داریاں بھی بتا دی گئی ہیں۔ ارشاد ہے:

اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (التوبۃ:۷۱)

''مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔''

مرد اور عورت دونوں کے میدانِ کار کی وضاحت اور ذمہ داریوں کی تعیین کے ساتھ اسلام نے مرد پر ایک اضافی ذمہ داری عائد کی ہے اور وہ ہے خاندان کی سربراہی۔ کسی بھی ادارہ (Institution) کے منظّم انداز میں سرگرم عمل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ایک سربراہ ہو، جو اس کے تمام کاموں کی نگرانی کرے، اس کے نظم وضبط کو درست اور چاق و چوبند رکھے، اس سے وابستہ تمام افراد کی سرگرمیوں پر نظر رکھے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے ماتحتوں اور اس کے درمیان محبت وخیر خواہی پر مبنی ربط باہمی پایا جائے۔ وہ ان کے حقوق پہچانے اور ان کو تحفظ فراہم کرے اور وہ لوگ بھی پوری خوش دلی کے ساتھ معروف کے دائرے میں اس کے احکام بجالائیں اور ان سے سرتابی نہ کریں۔ یہ ذمہ داری کسی ایک فرد کو ہی دی جاسکتی ہے۔ اگر یکساں حقوق واختیارات کے ساتھ ایک سے زائد افراد کو کسی ادارے کی سربراہی سونپ دی جائے اور ہر ایک اپنی آزاد مرضی سے اس ادارہ کو چلانا چاہے تو اس کا نظم درہم برہم ہوجانا یقینی ہے۔ مرد اور عورت نظامِ خاندان کے دو بنیادی ارکان ہیں۔ اس کی سربراہی ان میں سے کسی ایک کو ہی دی جاسکتی تھی۔ اسلام نے یہ ذمہ داری مرد کے حوالے کی۔ قرآن میں اسی کو 'درجہ' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (البقرۃ:۲۲۸)

''عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔''

اسی ذمہ داری کی بنا پر مرد کو قرآن میں 'قوّام' (نگراں) کہا گیا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (النساء:۳۴)

''مرد عورتوں کے نگراں ہیں، اس سبب سے کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔''

مردوں کو سربراہی ونگرانی کے اختیارات تفویض کرنے کے ساتھ قرآن وحدیث میں مردوں اور عورتوں دونوں کے حقوق وفرائض کے سلسلے میں واضح ہدایات دے دی گئی ہیں۔

زوجین کے حقوق اور فرائض

حقوق اور فرائض کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ازدواجی رشتے میں منسلک ہونے کے بعد شوہر کے جو حقوق ہیں وہ بیوی کے فرائض میں داخل ہیں اور بیوی کے جو حقوق ہیں ان کا شمار شوہر کے فرائض میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ:۲۲۸)

''عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں، جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔''

شوہر کے جو حقوق بیوی پر عائد ہوتے ہیں ان میں سے دو اہم ہیں: پہلا حق یہ ہے کہ معروف میں بیوی شوہر کی اطاعت کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (النساء:۳۴)

''پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت ونگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔''

اس آیت میں نیک عورتوں کا دوسرا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ 'غیب کی حفاظت' کرتی ہیں۔ درحقیقت یہی عورت پر شوہر کا دوسرا حق ہے۔ غیب کی حفاظت کا مطلب اس چیز کی حفاظت ہے جو شوہر کی غیر حاضری میں عورت کے پاس بہ طور امانت ہوتی ہے۔ اس میں نسب کی حفاظت، آبرو کی حفاظت، مال کی حفاظت، بچوں کی پرورش و پرداخت اور رازوں کی حفاظت سب کچھ شامل ہے۔

اسلام نے نظام خاندان میں بیوی کے حقوق کو بھی محفوظ کیا ہے، تاکہ شوہر اپنے اختیارات سے فائدہ اٹھا کر اس پر بے جا ظلم نہ کر سکے اور وہ نظامِ معاشرت میں اپنی فطری صلاحیتوں کو بہتر طریقے سے بروئے کار لا سکے۔

بیوی کا پہلا حق مہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شوہر کو اس کی ادایگی کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء:۴)

''اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو۔''

مہر وہ رقم ہے جو مرد نکاح کے وقت عورت کو ادا کرتا ہے، یا ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ اس کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں: ایک مہر معجّل، یعنی وہ مہر جو نکاح کے وقت فوراً ادا کر دیا جائے۔ دوسری مہر مؤجل، یعنی وہ مہر جسے بعد میں ادا کرنے کا وعدہ کر لیا جائے۔ مہر کی ادائی شوہر کے ذمے لازم ہوتی ہے۔ اس لیے اسے اتنا ہی مقرر کرنا چاہیے جتنا شوہر آسانی سے ادا کر سکے۔ محض فخر جتانے کے لیے یا اس وجہ سے کہ شوہر بیوی کو طلاق نہ دے سکے، مہر بہت زیادہ مقرر کرنا شرعی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ خلیفۂ دوم حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانے میں جب لوگ بہت زیادہ مہر مقرر کرنے لگے تو انھوں نے ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''لوگو! مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو، اگر یہ چیز دنیا میں فخر و عزت یا آخرت میں اجر و ثواب کا باعث ہوتی تو اللہ کے رسول ﷺ سب سے پہلے اسے اختیار کرتے۔'' (ابوداؤد:۲۱۰۶) اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کیا تو ان کا مہر پانچ سو درہم مقرر فرمایا تھا۔ اسے مہر فاطمی کہا جاتا ہے۔ جدید وزن کے اعتبار سے یہ ۱۵۳۱ گرام (تقریباً ڈیڑھ کلو) چاندی کے برابر ہے۔

اگر نکاح کے وقت مہر طے نہیں کیا گیا تو وہ معاف نہیں ہوگا، بلکہ عورت کو مہرِ مثل دینا ہوگا۔ اس سے مراد مہر کی وہ مقدار ہے جو عام طور پر اس کے خاندان کی عورتوں کی مقرر ہوتی ہے۔ مہر میں نقد رقم کے بجائے کوئی منقولہ سامان یا غیر منقولہ جائیداد، مثلاً مکان، زمین وغیرہ بھی دی جا سکتی ہے۔ نکاح کے موقع پر زیورات بھی بہ طور مہر دیے جا سکتے ہیں، لیکن اس کی صراحت ضروری ہے، تاکہ یہ غلط فہمی نہ رہے کہ انھیں بہ طور ہدیہ دیا گیا ہے۔

بیوی کا دوسرا حق یہ ہے کہ شوہر اس کو نفقہ فراہم کرے۔ نفقہ کے معنیٰ ہیں وہ چیز جو خرچ کی جائے۔ شوہر کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لیے کھانا، کپڑا، مکان اور دیگر

ضروریاتِ زندگی کا انتظام کرے۔ (النساء: ۳۴) نفقہ کا کوئی متعین معیار نہیں ہے، بلکہ وہ شوہر کی آمدنی اور حیثیت کے مطابق کم زیادہ ہوسکتا ہے۔ (البقرۃ:۲۳۶، الطلاق:۷)

نفقہ میں عورت کی آرائش وزیبائش کی چیزیں، دوا علاج کا خرچ، دایہ کے مصارف اور روزمرّہ کی ضروریات بھی شامل ہیں۔ عورت شوہر کے مال میں سے حسب ضرورت موقع بہ موقع خرچ کرسکتی ہے، اگر شوہر نے اسے اجازت دے رکھی ہو۔ شوہر اپنی بیوی کو گھر کے انتظام کے لیے جو کچھ دے اس میں سے بیوی اگر کچھ بچالے تو یہ اس کا حق ہے، شوہر نہ اسے واپس لے سکتا ہے اور نہ اس کے نفقہ میں کمی کرسکتا ہے۔

بیوی کا تیسرا حق یہ ہے کہ شوہر اس کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ قرآن وحدیث میں اس کے واضح احکام موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:۱۹)

''ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔''

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اہل ایمان میں سب سے زیادہ کامل وہ شخص ہے جس کا اخلاق سب سے بہتر ہو اور تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر ہوں۔''

(ترمذی:۱۱۶۲)

زوجین کے درمیان عدمِ موافقت کا حل

اگر زوجین حدود اللہ کا پاس ولحاظ کرتے، ایک دوسرے کے حقوق پہچانتے اور انھیں ادا کرتے ہوئے زندگی گزاریں، ایک دوسرے کی کم زوریوں کو نظر انداز کریں اور مل جل کر اپنے بچوں کی پرورش و پرداخت اور تعلیم وتربیت میں لگے رہیں تو گھر جنت نظیر بن جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ ایک دوسرے کے حقوق نہ پہچانیں، شوہر بیوی پر ظلم کرے، اسے ناحق ستائے یا بیوی شوہر کے حکموں کی تعمیل نہ کرے اور خودسری وسرتابی کا مظاہرہ کرے تو گھر جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے، ازدواجی سکون غارت ہوجاتا ہے اور بچوں کی صحیح ڈھنگ سے

پرورش نہیں ہو پاتی۔

اس معاملے میں قرآن نے خاص طور پر مردوں کو تحمل کا مظاہرہ کرنے اور نافرمان عورتوں کی اصلاح وتربیت کرنے کی تلقین کی ہے۔اس نے حکم دیا ہے کہ اگر عورتوں کا کوئی رویّہ یا خصلت انھیں ناپسند ہو تو بھی اس رشتے کو ختم کرنے کے درپے نہ ہوں، بلکہ یہ سوچیں کہ ممکن ہے، اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔ (النساء:۱۹) یہی نہیں، بلکہ قرآن اس سے آگے کی بات یہ کہتا ہے کہ اگر کسی عورت کی جانب سے سرکشی، خودسری اور عدمِ اطاعت کا مظاہرہ ہونے لگے تو ابتدا میں اسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کی جائے، پھر بھی وہ اپنا رویّہ درست نہ کرے تو خواب گاہ میں اس سے علیٰحدگی اختیار کی جائے، اور اس پر بھی وہ اپنی اصلاح نہ کرے تو بہ طور تادیب اس کی ہلکی جسمانی سرزنش کی جائے، لیکن کسی بھی صورت میں خواہ مخواہ اس پر بے جا دست درازی نہ کی جائے۔ (النساء:۳۴)

اختلافات دور کرنے میں اہلِ خاندان کا تعاون

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر زوجین کے درمیان اختلافات پیدا ہو جائیں تو ابتدائی مرحلے میں وہ خود انھیں حل کرنے کی کوشش کریں، لیکن اگر وہ اس میں کام یاب نہ ہو سکیں، اختلافات باقی رہیں، دونوں کے دل ایک دوسرے سے پھٹ جائیں اور ان کے درمیان خلیج حائل ہو جائے تو اہلِ خاندان کی ذمے داری ہے کہ ان کے درمیان مصالحت کرانے اور ایک دوسرے کی شکایات دور کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَ حَکَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیۡنَهُمَا ؕ (النساء:۳۵)

''اور اگر تم لوگوں کو میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حَکَم مرد کے رشتے داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتے داروں میں سے مقرر کرو۔ وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا۔''

اگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو اور ان کے درمیان عدمِ موافقت منافرت تک پہنچ

جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ان کا یک جا رہنا بے سود ہے۔ پھر مناسب یہ ہے کہ دونوں اپنی اپنی راہ لیں اور الگ ہوکر، اگر چاہیں تو ہر ایک اپنے لیے کوئی دوسرا مناسب رشتہ تلاش کرے۔

طلاق-ایک ناخوش گوار ضرورت

آج کل میڈیا میں طلاق کا موضوع چھایا ہوا ہے۔ عورتوں کی مظلومیت کے صحیح اور غلط واقعات پیش کیے جا رہے ہیں، طلاق کو ایک ظالمانہ عمل قرار دیا جا رہا ہے اور اس پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ اس کی حکمت سے ناواقف ہیں اور اسلامی شریعت میں اس کی ضرورت وافادیت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔

نکاح مرد اور عورت کے درمیان ایک معاہدہ ہے۔ قرآن مجید میں اسے 'میثاق غلیظ' (مضبوط معاہدہ) کہا گیا ہے، لہٰذا نکاح کو حتی الامکان اور حتی المقدور باقی رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ طلاق کی نوبت اسی وقت آنی چاہیے، جب کہ مصالحت اور موافقت کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکے۔

طلاق اصلاً ایک آپریشن ہے، جس کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب علاج معالجہ کی دیگر تمام تدبیریں ناکام ہو جائیں۔ زوجین کے تعلقات میں بگاڑ آ جائے اور ان کی درستی کے لیے کوئی تدبیر کارگر نہ ہو تو ازدواجی زندگی کا فساد دور کرنے کے لیے مجبوراً طلاق کا سہارا لینے کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ غلط آپریشن سے مریض مر جائے تو کوئی نہیں کہتا کہ آپریشن پر پابندی لگا دی جائے۔ اسی طرح اگر طلاق کا غلط استعمال ہونے لگے تو اس پر پابندی لگانے کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے، بلکہ اس کے بجائے اس کی ضرورت تسلیم کرتے ہوئے اس کے صحیح استعمال کی تفہیم کرنی چاہیے۔

شریعت نے طلاق کی اجازت اس وقت دی ہے جب نباہ کی کوئی صورت باقی نہ بچی ہو اور بیوی سے شوہر کی بے زاری حد سے زیادہ بڑھ گئی ہو۔ طلاق کے معنی بندھن

کھولنے کے ہیں۔ گویا نکاح کے ذریعے جو بندھن قائم ہوا تھا وہ طلاق کے ذریعے کھول دیا جاتا ہے۔ اسلامی شریعت میں اگرچہ طلاق کی اجازت دی گئی ہے، لیکن اسے ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ شیطان کو سب سے زیادہ خوشی اس بات سے ہوتی ہے کہ ایک خاندان برباد ہوجائے اور میاں بیوی کے درمیان علیٰحدگی ہوجائے۔ (مسلم: ۲۸۱۳)

طلاق کی قسمیں

طلاق کی تین قسمیں ہیں:

(۱) **طلاق رجعی:** یعنی وہ طلاق، جس میں شوہر بغیر نئے نکاح کے بیوی کو واپس لے سکتا ہے، خواہ بیوی راضی ہو یا نہ ہو۔ یہ اس وقت ہوگا، جب شوہر صریح الفاظ میں طلاق دے، پھر عدت پوری ہونے سے پہلے ہی رجوع کرلے۔

(۲) **طلاق بائن:** یعنی وہ طلاق، جس میں شوہر بیوی سے، اس کی مرضی ہو تو دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ یعنی اس میں، بیوی کی مرضی ضروری ہے اور وہ نئے مہر کی مستحق ہوگی۔ یہ اس وقت ہوگا، جب شوہر طلاق دے، پھر عدت پوری ہوجائے۔

(۳) **طلاق مغلظ:** وہ طلاق جس کے بعد شوہر بیوی کو واپس نہیں لے سکتا۔ ایسا تیسری طلاق کی صورت میں ہوتا ہے۔ طلاق مغلظ کے بعد عورت شوہر پر حرام ہوجاتی ہے۔ البتہ اگر اس کا کسی دوسرے مرد سے نکاح ہوجائے، پھر وہ بھی اسے طلاق دے دے، یا اس کا انتقال ہوجائے، تو سابق شوہر سے دوبارہ اس کا نکاح ہوسکتا ہے، بشرطے کہ دونوں راضی ہوں۔

طلاق کے طریقے

طلاق کے دو طریقے ہیں:

(۱) **طلاقِ سنت:** اس کا طریقہ یہ ہے کہ شوہر عورت کو حالتِ طہر میں (جب عورت حیض سے پاک رہتی ہے)، جب کہ اس نے ہم بستری نہ کی ہو، ایک طلاق رجعی

دے اور عدت گزر جانے دے۔ عدت پوری ہوتے ہی ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور علیٰحدگی ہو جائے گی۔ یہ طلاقِ احسن ہے۔ شوہر یہ بھی کر سکتا ہے کہ ایک طلاق حالتِ طہر میں دے، پھر حیض کے بعد جب عورت دوبارہ حالتِ طہر میں آئے تو دوسری طلاق دے، اسی طرح حالتِ طہر میں تیسری طلاق دے۔ اس میں بھی شرط ہے کہ اس مدت میں عورت کے ساتھ ہم بستری نہ کرے۔ اسے طلاقِ حسن کہتے ہیں۔

(۲) **طلاقِ بدعت:** یعنی خلافِ سنت طریقہ پر دی گئی طلاق۔ آدمی یک بارگی دو یا تین طلاقیں دے دے، یا حیض کی حالت میں طلاق دے، یا اس پاکی کی حالت میں طلاق دے جس میں مجامعت کر چکا ہو۔

اگر طلاق دینے کی نوبت آجائے تو بہتر ہے کہ طلاقِ احسن کا طریقہ اختیار کیا جائے، یعنی ایک طلاق دے کر چھوڑ دیا جائے۔ طلاقِ بدعت سے منع کیا گیا ہے، لیکن اگر کوئی شخص ایسی طلاق دے تو واقع ہو جائے گی اور طلاق دینے والا گناہ گار ہوگا۔ طلاقِ احسن کی صورت میں شوہر کو غور و خوض کرنے کا خوب موقع ملے گا۔ عورت دورانِ عدت اس کے گھر ہی میں رہے گی۔ اگر شوہر چاہے تو عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر سکتا ہے۔ اگر عدت گزر جائے تو عورت آزاد ہو جائے گی۔ لیکن پھر بھی یہ موقع باقی رہے گا کہ اگر مرد چاہے اور عورت بھی آمادہ ہو تو دونوں دوبارہ نئے مہر کے ساتھ از سرِ نو نکاح کر سکتے ہیں۔ طلاق کا مقصد رشتۂ نکاح کو ختم کرنا ہے۔ یہ مقصد ایک طلاق سے بہ خوبی پورا ہو جاتا ہے۔

زندگی کے ہر معاملے میں انسانی رویّہ یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی جتنی ضرورت ہو، اتنا ہی استعمال کرتا ہے۔ ایک گلاس پانی پیاس بجھا دے تو وہ دس گلاس پانی نہیں پیتا۔ بچے کی تادیب ایک چپت لگا کر ہو سکتی ہو تو اس پر ڈنڈے نہیں برساتا۔ ایک گولی کھانے سے بدن کا درد دور ہو جائے تو مہینوں بھاری خوراکیں نہیں لیتا۔ پھر اگر اس نے بیوی کو اپنی زندگی سے الگ کرنے کا تہیہ ہی کر لیا ہے تو جو کام ایک طلاق سے ہو جاتا ہو، اسے انجام دینے کے لیے

بہ یک وقت تین طلاق کیوں دے؟

قرآن کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرد کو دو مرتبہ الگ الگ یہ موقع دینا چاہتا ہے۔ (البقرۃ:۲۲۹) چناں چہ وہ متنبہ کرتا ہے کہ اگر اس نے تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو وہ ہمیشہ کے لیے اس عورت سے محروم ہو جائے گا۔ (البقرۃ:۲۳۰) تین مرتبہ بہ یک وقت طلاق دینے سے یہ مواقع ضائع ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبوی میں ایک مرتبہ ایک شخص نے بہ یک وقت تین طلاق دے دی۔ اللہ کے رسول ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے سخت ناراضی کا اظہار کیا اور فرمایا: ''کیا میری موجودگی میں اللہ کی کتاب کے ساتھ کھلواڑ کیا جائے گا۔''

(نسائی:۳۴۰۱)

تین طلاق کا مسئلہ

اگر کوئی شخص بہ یک وقت تین طلاق دے دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں امت میں دو رائیں پائی جاتی ہیں: متعدد صحابۂ کرام، تابعین عظام اور چاروں ائمہ اسے تین طلاق مانتے ہیں، جب کہ بعض صحابہ اور تابعین کے علاوہ علامہ ابن تیمیہ، علاّمہ ابن قیّم، شیخ داؤد ظاہری اور علامہ شوکانی رحمہم اللہ اور اہلِ حدیث حضرات کے نزدیک اسے ایک طلاق شمار کیا جائے گا۔ دونوں مسالک والوں کے اپنے دلائل ہیں اور ان پر عرصہ سے عمل ہو رہا ہے۔

علماء احناف یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص طلاق دیتے وقت ایک سے زائد مرتبہ 'طلاق' کا لفظ استعمال کرے، لیکن وہ کہے کہ اس کا ارادہ ایک طلاق دینے ہی کا تھا، اس نے محض تاکید کی غرض سے ایک سے زائد بار یہ لفظ دہرایا تھا، تو اس کی بات مانی جائے گی اور صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔

طلاق کے معاملے میں مسلم عوام کے درمیان بڑی غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں اور انھیں سمجھایا جاتا ہے کہ جب تک تین طلاقیں نہیں دی جائیں گی تب تک طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔

منصوبہ بند حلالہ ممنوع ہے

مسلمانوں میں بعض لوگ جہالت کے سبب غصّے میں بہ یک وقت تین طلاق دے بیٹھتے ہیں، پھر جب انھیں بتایا جاتا ہے کہ بیوی تم پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی ہے، اب دوبارہ اس کے حلال ہونے کا امکان صرف اس وقت ہے، جب مشیت الٰہی سے وہ صورت پیش آجائے جس کا ذکر قرآن (البقرۃ:۲۳۰) میں ہے، تو وہ کوشش کرتے ہیں کہ کوئی ایسا آدمی تیار کرلیں جو ان کی مطلّقہ سے نکاح کرکے پھر طلاق دے دے، تاکہ ان کے لیے دوبارہ سے اس سے نکاح کرلینا جائز ہوجائے۔ اصطلاح میں اسے 'حلالہ' کہا جاتا ہے۔

کسی منصوبے کے بغیر یہ صورتِ حال فطری طور پر پیش آئے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے، پھر اس کا نکاح کسی اور مرد سے ہوجائے، پھر کسی وجہ سے وہ بھی طلاق دے دے، یا اس کی وفات ہوجائے تو پہلا شوہر دوبارہ اس سے نکاح کرسکتا ہے، لیکن یہ طریقہ منصوبہ بند طور پر اختیار کیا جائے تو انتہائی گھناؤنا اور غیر شریفانہ ہے اور اسلام میں قطعی طور پر حرام ہے۔ جو شخص اس کام کے لیے خود کو پیش کرتا ہے، اسے اللہ کے رسول ﷺ نے 'تیس مستعار' (کرایے کا سانڈ) سے تشبیہ دی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک مرتبہ صحابۂ کرام سے دریافت کیا: ''کیا میں تمھیں بتاؤں کہ 'کرایے کا سانڈ' کون ہے؟ صحابہ نے جواب دیا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا: ''وہ محلّل ہے۔'' یعنی وہ شخص جو کسی آدمی کے اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کے بعد، اس عورت سے نکاح کرنے کے لیے خود کو پیش کرے، تاکہ اس آدمی سے کیے گئے وعدے کے مطابق اس عورت کو طلاق دے کر پہلے شوہر کا نکاح اس سے حلال کردے۔ اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے مزید فرمایا: ''اللہ کی لعنت ہے اُس شخص پر جو اس کام کے لیے خود کو پیش کرے اور اُس شخص پر بھی جو اس سے یہ کام کروائے۔'' (ابن ماجہ:۱۹۳۶)

غور کرنا چاہیے کہ بیوی سے علیٰحدگی اگر ایک طلاق کے ذریعے ہوجائے تو اس کام

کے لیے تین طلاقیں کیوں دی جائیں؟ پھر تین طلاق دینے کے بعد جب بیوی ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے تو اس کو حلال کرنے کے لیے ایسے طریقے ڈھونڈے جائیں جو سراسر حرام ہوں اور اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں انتہائی گھناؤنا اور لعنت زدہ قرار دیا ہو، اس کی جسارت کوئی شریف آدمی کر سکتا ہے نہ یہ اسلام میں جائز ہے۔ اس لیے دانش مندی کا تقاضا ہے کہ تین طلاق کی کبھی نوبت ہی نہ آئے۔

خلع، مباراۃ اور تفریق

زوجین کے درمیان نباہ ممکن نہ ہونے کی صورت میں علیٰحدگی کے لیے جس طرح شریعت نے مرد کو طلاق کا حق دیا ہے، اسی طرح عورت کو خلع کا حق دیا ہے۔ طلاق اور خلع میں فرق یہ ہے کہ طلاق کی صورت میں شوہر کو حق نہیں کہ وہ بیوی کو دیے گئے مہر کو واپس لے، لیکن اگر عورت شوہر سے خلع چاہے تو شوہر مہر واپس لے سکتا ہے (بہتر گرچہ یہی ہے کہ شوہر فیاضی سے کام لے اور کچھ لیے بغیر خلع کے لیے راضی ہو جائے)۔ قرآن میں ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَاۤ جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ

(البقرۃ:۲۲۹)

''اگر تمھیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدودِ الٰہی پر قائم نہ رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں مضایقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیٰحدگی حاصل کر لے۔''

خلع میں بیوی اور شوہر دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ بیوی مہر معاف کر دے، یا اسے پا چکی ہو تو واپس کر دے، یا الگ سے کچھ مال شوہر کو دے کر اسے خلع پر راضی کر لے تو خلع ہو جائے گا اور طلاق بائن پڑ جائے گی۔ بعد میں اگر دونوں پھر ساتھ رہنا چاہیں تو ان کا دوبارہ (نئے مہر کے ساتھ) نکاح ہو سکتا ہے۔

خلع ہی کی ایک شکل 'مباراۃ' ہے۔ اس میں شوہر اور بیوی میں علیٰحدگی اس طور پر

ہوتی ہے کہ شوہر بیوی سے کہتا ہے کہ میں نے تجھے نکاح سے علیٰحدہ کر دیا، اس شرط پر کہ تو مجھے جملہ حقوق سے بری کر دے۔ اس پر بیوی کہتی ہے کہ میں نے تجھے بری کر دیا۔

اگر عورت کے مطالبے پر شوہر خلع کے لیے راضی نہ ہو تو عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ دارالقضا میں دعویٰ کر کے قاضی کے ذریعہ رشتۂ نکاح کو ختم کروادے۔ اسے تفریق کہتے ہیں۔

تفویضِ طلاق

شریعت نے طلاق کا حق مرد کو دیا ہے، اس لیے کہ وہی نکاح کے مصارف برداشت کرتا، عورت کو مہر دیتا اور اس کے نان ونفقہ کی ذمہ داری لیتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنا یہ اختیار بیوی کو دے دے، مثلاً کہے کہ میں تم کو طلاق لے لینے کا اختیار دیتا ہوں، تو بیوی کو یہ اختیار حاصل ہو جائے گا۔ وہ جب چاہے طلاق لے کر علیٰحدہ ہو سکتی ہے۔ اسے تفویضِ طلاق کہتے ہیں۔

تفویضِ طلاق کا حق بیوی کے علاوہ کسی اور کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً شوہر کسی شخص کو اس بات کا اختیار دے کہ وہ جب چاہے، اس کی بیوی کو طلاق دے دے۔ لیکن تفویض طلاق کی وجہ سے شوہر کا حق طلاق ختم نہیں ہوتا۔

عدّت کی صورتیں اور احکام

عدت کے لفظی معنٰی شمار کرنے کے ہیں۔ اس سے مراد وہ مدّتِ انتظار ہے جو نکاح ختم ہونے کے بعد شریعت نے مقرر کی ہے۔ اس مدت میں عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ عدت کی تین صورتیں ہیں: (۱) اس کی عدت تین حیض ہے۔ (البقرۃ: ۲۲۸) یہ حکم ان عورتوں کے لیے ہے جن کو حیض آتا ہو۔ جن عورتوں کو نابالغ ہونے کی وجہ سے حیض نہ آیا ہو، یا کسی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا ہو، ان کی عدت قرآن میں تین ماہ بیان کی گئی ہے۔ (الطلاق: ۴) (۲) جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ (البقرۃ: ۲۳۴) دونوں صورتیں ان عورتوں کے سلسلہ میں ہیں جن کو طلاق یا

شوہر کی وفات کے وقت حمل نہ ہو۔ (۳) مطلقہ یا بیوہ، جو حاملہ ہو، اس کی عدت وضعِ حمل ہے۔ چاہے یہ شوہر کی وفات کے بعد فوراً ہو جائے، یا چار ماہ دس دن سے زیادہ وقت لگے، بہرحال بچہ پیدا ہوتے ہی اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔

عدت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ معلوم ہو جائے کہ عورت کو شوہر سے حمل نہیں ہے۔ دوران عدت عورت کو بلا شدید ضرورت گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ اسی طرح نہ اسے بناؤ سنگار کرنا چاہیے، نہ شوخ کپڑے پہننے چاہئیں۔ اس مدت میں کسی شخص کے لیے اس عورت کو صراحتاً نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں، البتہ اشارہ و کنایہ میں نکاح کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ زینت نہ کرنے کا حکم طلاق بائن، طلاق مغلظ اور شوہر کی وفات کی صورت میں ہے۔ البتہ اگر عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہے تو وہ دورانِ عدت بناؤ سنگھار کر سکتی ہے۔

مطلّقہ کی کفالت کیسے ہو؟

دوران عدت عورت، خواہ مطلّقہ ہو یا بیوہ، شوہر کے گھر میں ہی رہے گی اور نان و نفقہ کی مستحق ہوگی۔ عدت پوری ہونے کے بعد اس کی کفالت اس کے قریبی رشتے داروں پر ہوگی۔

کچھ لوگ طلاق کے نتیجے میں عورت کے بے سہارا ہو جانے کی دہائی دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عورت نے ایک عرصہ شوہر کے ساتھ گزارا۔ اب شوہر نے طلاق دے کر اسے اپنے گھر سے نکال دیا تو وہ کہاں جائے؟ اور اپنی بقیہ زندگی کیسے گزارے؟ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ شوہر کو پابند کیا جائے کہ وہ مطلّقہ بیوی کو زندگی بھر گزارہ بھتّہ دیتا رہے، جس سے اس کی گزر اوقات ہو سکے۔ حقیقت میں یہ لوگ اسلام کے نظامِ نفقات سے واقف نہیں ہیں۔

قرآن مجید میں مطلّقہ عورت کے لیے 'متاع' کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقّاً عَلَى الْمُتَّقِيْنَ○ (البقرۃ:۲۴۱)

''جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو، ان کے لیے دستور کے مطابق 'متاع' ہے۔ یہ حق ہے متقیوں پر۔''

'متاع' لغت میں تھوڑے ساز و سامان کو کہا جاتا ہے، جس سے وقتی طور پر فائدہ اٹھایا جائے۔ قرآن میں اس کی تعیین نہیں کی گئی ہے، بلکہ اسے رواج اور دستور پر چھوڑ دیا گیا ہے اور اہل ایمان کو ترغیب دی گئی ہے کہ ان میں سے کوئی طلاق دے کر عورت سے قطع تعلق کرے تو اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے اور اسے کچھ دے دلا کر رخصت کرے۔

اسلام نے مطلّقہ عورت کو بے سہارا نہیں چھوڑا ہے، بلکہ اس کی کفالت کا انتظام کیا ہے۔ اگر اس کا باپ زندہ ہو تو اس پر اس کی کفالت واجب ہے۔ وہ زندہ نہ ہو تو جو بھی اس کا قریبی رشتے دار ہوگا، مثلاً چچا یا بھائی وغیرہ، اس پر اس کی کفالت واجب ہوگی۔ اگر عورت صاحبِ اولاد ہے اور اولاد بڑی اور صاحبِ حیثیت ہے تو اس کا نفقہ اولاد پر واجب ہوگا۔ اگر عورت کا کوئی رشتہ دار زندہ نہیں ہے تو مسلم سماج کی ذمہ داری ہے کہ اس کی گزر اوقات کا نظم کرے۔ ایسے مستحقین کی زکوٰۃ، مسلم تنظیموں کے بیت المال اور اوقاف کے ذریعے ترجیحی طور پر مدد کی جانی چاہیے۔

نکاح مرد اور عورت کے درمیان زندگی کی رفاقت کا ایک باعزّت معاہدہ ہے اور طلاق اس معاہدہ سے دست برداری کا اعلان۔ نکاح کے بعد عورت کو شوہر کی طرف سے جو نفقہ ملا کرتا تھا، ظاہر ہے کہ طلاق کے بعد اس پر اس کا استحقاق ختم ہو جاتا ہے۔ عدت کے بعد بھی مطلّقہ عورت کا نفقہ سابق شوہر سے دلوایا جائے تو یہ اس کے ساتھ ناانصافی بھی ہے اور عورت کی غیرت وحمیّت کے بھی خلاف ہے۔ پھر تو مرد اسی میں عافیت سمجھے گا کہ عورت کو کسی بھی صورت میں طلاق نہ دے، بلکہ اسے لٹکائے رکھے اور اس پر ظلم وستم کرتا رہے۔

حضانت

مطلّقہ عورت کے اخراجات کا مسئلہ کسی قدر حضانت یعنی حقِ پرورش سے بھی حل ہوتا ہے۔ اس عورت کے اگر چھوٹے بچے ہوں تو وہ اس کی پرورش میں رہیں گے۔ لڑکا ہو تو وہ باشعور ہونے، یعنی سات آٹھ سال تک اور لڑکی ہو تو بالغ ہونے تک۔ اس مدّت میں مرد کو

اپنے بچوں کی پرورش کے مصارف ادا کرنے ہوں گے، ساتھ ہی عورت کے گزر بسر کا بھی انتظام کرنا ہوگا۔ البتہ اس کی حیثیت نفقۂ زوجیت کی نہیں، بلکہ اجرتِ پرورش کی ہوگی۔ وہ سابق شوہر سے نفقہ حاصل کرنے والی نہ ہوگی، بلکہ اپنی محنت کی اجرت پائے گی۔

عورت کو حق حضانت اس وقت تک حاصل رہے گا، جب تک اس کا دوسرا نکاح نہ ہو جائے۔ اس کے بعد بچوں کی پرورش اس کے دوسرے قریبی رشتے داروں (مثلاً نانی، دادی، بہن، خالہ وغیرہ) کے ذمے ہوگی۔

اسلام کا قانونِ وراثت

کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کی ملکیت اس کے وارثوں میں منتقل ہونے کو وراثت کہا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کا تاکیدی حکم ہے۔ اور ہر وارث کا حصہ متعین کر دیا گیا ہے۔ وراثت میں مردوں اور عورتوں دونوں کا حصہ ہے اور مالِ وراثت، چاہے بہت کم ہو یا بہت زیادہ، ہر حال میں اس کی تقسیم کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ○ (النساء:۷)

''مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔''

کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو اس کے ترکے میں سے درج ذیل کاموں پر خرچ کیا جائے گا:

(۱) سب سے پہلے اس کی تجہیز وتکفین کی جائے گی۔

(۲) اس کی وصیت نافذ کی جائے گی۔ بہ شرطے کہ وصیت اس کے ایک تہائی مال سے زائد کی نہ ہو اور کسی وارث کے حق میں نہ ہو۔

(۳) اگر اس پر کچھ قرض ہو تو وہ ادا کیا جائے گا۔
اس کے بعد جو کچھ بچے گا وہ وارثوں میں تقسیم ہوگا۔

اسلامی قانونِ وراثت کی بنیاد فقر و احتیاج پر نہیں ہے، کہ میت کے پس ماندگان میں جو جتنا ضرورت مند ہو، وراثت میں اس کا اتنا حصہ لگا دیا جائے، بلکہ اس کی بنیاد قرابت، بلکہ قریب ترین قرابت ہے۔ رشتے دار بہت سے ہوتے ہیں، لیکن شریعت میں صرف قریب ترین رشتہ داروں (اَلْاَقْرَبُوْنَ) کو مستحقینِ وراثت قرار دیا گیا ہے۔

تقسیمِ وراثت کے معاملے میں مسلم سماج میں بہت زیادہ غفلت، سرد مہری اور انحراف پایا جاتا ہے۔ کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کے وارثوں میں اس کی جائیداد کی تقسیم برسوں عمل میں نہیں آتی، یا وہ چند وارثوں کے مشترکہ استعمال میں رہتی ہے اور دوسرے وراثت سے محروم رہتے ہیں، وفات پانے والے کی بیوہ اور دیگر بوڑھے وارثوں کا حصہ نہیں نکالا جاتا، زرعی جائیداد میں لڑکیوں کو حصہ نہیں دیا جاتا، یا وہ اس اندیشے سے خود ہی منع کر دیتی ہیں کہ پھر بھائیوں سے تعلق باقی نہ رہے گا اور ان کا میکے جانا بند ہو جائے گا، جہیز کو وراثت کا بدل سمجھ لیا جاتا ہے اور یہ توجیہ کر لی جاتی ہے کہ وراثت میں ملنے والے حصے کے بہ قدر لڑکیوں کو پہلے ہی جہیز کی شکل میں ادا کر دیا جاتا ہے۔ یہ تمام طریقے غلط ہیں۔ قرآن مجید میں احکامِ وراثت کو 'حدود اللہ' کہا گیا ہے اور ان کی پامالی پر عذابِ جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهٗ يُدْخِلْهُ نَاراً خَالِداً فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ○ (النساء:۱۴)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا، اسے اللہ آگ میں ڈالے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''

وراثت کے معاملے میں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اس کا مسئلہ کسی شخص کی وفات کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کسی شخص کی زندگی میں اس کے بیٹوں اور بیٹیوں کا اس

سے اپنا حصہ طلب کرنے کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔ کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنا مال و جائیداد اپنی خوشی سے تقسیم کرسکتا ہے، لیکن یہ وراثت کی تقسیم نہیں، بلکہ ہبہ ہوگا، جو اس کی مرضی پر منحصر ہوگا۔ آدمی اپنی زندگی میں اپنے مال کا مالک ہے۔ وہ اسے حسب خواہش خرچ کرسکتا ہے۔ البتہ اگر وہ اپنی زندگی میں اپنی اولاد میں اسے تقسیم کرنا چاہے تو شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ وہ ان سب میں مساوی طور پر تقسیم کرے۔

وراثت کی بعض صورتوں میں عورت کا حصہ کم ہونے کا سبب

وراثت کی بعض صورتوں میں عورت کو مرد سے زیادہ ملتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص ماں باپ اور ایک بیٹی چھوڑ کر وفات پائے تو بیٹی کو نصف حصہ ملے گا، جب کہ ماں باپ ہر ایک چھٹا حصہ پائیں گے۔ بعض صورتوں میں عورت اور مرد دونوں کو برابر ملتا ہے۔ مثلاً اگر وارثین میں شوہر اور ایک بہن ہو تو دونوں کے درمیان میراث نصف نصف تقسیم ہوگی۔ صرف چند صورتوں میں عورت کا حصہ مرد کے حصے کا نصف ہوتا ہے، مثلاً اگر وفات پانے والے کی اولاد میں لڑکے لڑکیاں یا بھائی بہن ہوں۔ ان میں یہ فرق وتفاوت جنس کی بنیاد پر نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو بیٹے کے مقابلے میں باپ کا اور بیٹی کے مقابلے میں ماں کا حصہ کم نہ ہوتا۔ اس فرق کی بنیادی وجہ اسلامی نظامِ معاشرت میں مرد اور عورت کی پوزیشن ہے۔ مرد پر کمانے، گھر کا خرچ چلانے اور ماتحت افراد کی مالی کفالت کرنے کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے، جب کہ عورت کو معاشی جدّ وجہد سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ بچپن میں اس کی کفالت باپ کے ذمے ہے، جوانی میں شادی کے بعد شوہر کے ذمّے اور بڑھاپے میں اولاد کے ذمے۔ وہ جس قدر مال کی مالک بنتی ہے، سب اس کے پاس محفوظ رہتا ہے۔ دوسروں پر خرچ کرنا اس کی ذمہ داری نہیں۔ لیکن مرد جو کچھ مال حاصل کرتا ہے، اسے زیرِ کفالت افراد پر خرچ کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ اس بنا پر یہ بات قرینِ انصاف ہے کہ مرد کا حصہ عورت کا دوگنا ہو۔ اگر دونوں کا حصہ برابر کردیا جاتا تو یہ مرد کے ساتھ ناانصافی ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ جن صورتوں میں مرد کی معاشی ذمہ داریاں کم یا ختم ہوجاتی ہیں ان میں تقسیم میراث کے معاملے میں عورت اور مرد کے درمیان فرق نہیں کیا گیا ہے۔ مثلاً میت کی اولاد ہو اور اس کے ماں باپ بھی ہوں تو میراث میں ماں اور باپ ہر ایک کا چھٹا حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ جس شخص کی اولاد بھی صاحبِ اولاد ہو اس کی معاشی ذمہ داری بڑی حد تک کم یا بالکل ختم ہوجاتی ہیں۔ اس کی حیثیت بالعموم اپنے پوتوں پوتیوں کے سرپرست کی ہوتی ہے۔ لیکن اگر میّت کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کا باپ صاحبِ اولاد ہو (یعنی میّت کے بھائی بہن ہوں) تو اس صورت میں اس (یعنی میّت کے باپ) کی معاشی ذمہ داری ہوسکتی ہے۔ اسی وجہ سے باپ کا حصہ ماں سے زیادہ رکھا گیا ہے۔ (ماں کو ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی ملتا ہے)۔

یتیم پوتوں پوتیوں کی کفالت کیسے ہو؟

اسلام کے نظامِ وراثت پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان میں سے ایک اہم اعتراض یہ ہے کہ اس میں یتیم پوتوں پوتیوں کو محروم رکھا گیا ہے۔ یہ اعتراض کرتے ہوئے ان کی غربت و مسکنت اور بے چارگی و لاچاری کو اتنا نمایاں کیا جاتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر انھیں مالِ وراثت میں سے حصہ نہ دیا گیا تو وہ بھوکوں مرجائیں گے اور ان کے لیے زندگی گزارنا ممکن نہیں رہے گا۔ اس کے بعد اسلامی شریعت پر نشانہ سادھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اسلامی قانون ظالمانہ ہے، اس میں بعض مستحقین کی حق تلفی کی گئی ہے، اس لیے وہ موجودہ زمانے کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

یہ حضرات درحقیقت اسلامی قانونِ وراثت کے ضابطوں، حکمتوں اور باریکیوں سے واقف نہیں ہیں۔ اسی طرح یتیم پوتوں پوتیوں سے ان کی ہمدردیاں محض دکھاوا اور فریب ہیں۔ جن طریقوں سے یتیم پوتوں پوتیوں کی وقتِ ضرورت مدد کی جاسکتی ہے، ان پر توجہ دینے کے بجائے یہ حضرات ایسے طریقوں سے ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں، جو اسلامی

شریعت سے ٹکراتے ہیں۔

پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام میں تقسیمِ وراثت کی بنیاد فقر و احتیاج پر نہیں، بلکہ قریب ترین قرابت داری پر ہے۔ قریب ترین رشتے دار کی موجودگی میں دور کے رشتے دار محروم ہوں گے۔ کسی شخص کے بیٹے بیٹیاں بھی ہوں اور پوتے پوتیاں بھی تو چوں کہ بیٹے بیٹیاں اس کے قریب ترین رشتے دار ہیں، اس لیے وہ مستحق ہوں گے، ان کی موجودگی میں دور کے رشتے داروں کو کچھ نہ ملے گا، جن میں پوتے پوتیاں بھی شامل ہیں۔

وراثت کا مسئلہ اصلاً کسی شخص کی زندگی میں نہیں، بلکہ اس کے مرنے کے بعد اٹھتا ہے۔ جب اس کی زندگی میں اس کے ایک بیٹے کا انتقال ہو گیا ہے اور اس شخص کی موت کے وقت وہ موجود ہی نہیں ہے تو اس کا کیوں کر حصہ لگایا جائے گا؟ اور جب اس کا کوئی حصہ نہیں تو اس کے بیٹے کیوں کر مستحق ہوں گے؟

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یتیم پوتوں پوتیوں کو اسلامی شریعت نے بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے اور ان کی کفالت کا کوئی انتظام نہیں کیا ہے۔ ان کی کفالت درج ذیل طریقوں سے ممکن ہے:

(۱) سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۳۳ کا ایک ٹکڑا یہ ہے: وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ (ویسا ہی وارث پر بھی ہے) یعنی اگر بچے کا باپ نہیں ہے تو اس کی کفالت کی ذمہ داری اس شخص پر ہے جو اس بچے کی وفات کی صورت میں اس کی وراثت پانے کا استحقاق رکھتا ہے۔ اس سے فقہا نے یہ استدلال کیا ہے کہ یتیم پوتوں پوتیوں کی کفالت کی ذمہ داری ان کے قریبی رشتہ داروں پر ہے۔ بہ الفاظ دیگر ان کے جو چچا اپنے باپ کے وارث ہوں گے، وہی اپنے یتیم بھتیجوں بھتیجیوں کی کفالت کے بھی ذمہ دار ہوں گے۔

(۲) اسلامی شریعت میں وصیت کا قانون موجود ہے۔ آیاتِ وراثت میں بار بار کہا گیا ہے کہ وراثت کی تقسیم وصیت کو نافذ کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد کی جائے گی۔ (النساء:۱۱) یتیم پوتوں پوتیوں کے حق میں وصیت کر کے ان کی ضروریات پوری کی جا سکتی

ہیں۔ دادا کو چاہیے کہ اگر اس کے کسی بیٹے کا انتقال اس کی زندگی میں ہو جائے تو وہ اپنے پوتوں پوتیوں کے حق میں حسبِ ضرورت اپنے ایک تہائی مال تک کی وصیت کر دے، تاکہ اس کے مرنے کے بعد وہ وراثت سے محرومی کی وجہ سے بے سہارا نہ ہو جائیں۔

(۳) قرآن مجید میں وارثوں کو ایک ہدایت یہ دی گئی ہے کہ جب مالِ وراثت تقسیم ہونے لگے تو اس میں سے ان رشتے داروں کو بھی کچھ دیں جنھیں شرعی طور پر حصہ نہ مل رہا ہو۔ (النساء:۸) اس آیت سے رہ نمائی ملتی ہے کہ وارثین کو ان رشتے داروں کا خیال رکھنا چاہیے اور حسبِ ضرورت ان کی مالی مدد کرنی چاہیے، جو وراثت میں حصہ نہیں پاتے۔

(۴) قرآن مجید میں صلہ رحمی کی تاکید کی گئی ہے اور قطع رحمی سے روکا گیا ہے۔ یتیم پوتے پوتیاں بھی صلہ رحمی کے مستحق ہیں۔ اگر ان کے رشتے دار ان کی خبر گیری کریں اور وقتِ ضرورت ان کی مالی امداد کریں تو وہ کبھی مسائل کا شکار نہیں ہوں گے۔

یہ پہلو بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ اسلام کے نظامِ وراثت پر اعتراض کرنے والے وراثت سے یتیم پوتے کی محرومی کے مسئلے کو اس انداز سے اٹھاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے، دادا ہر حال میں مال دار اور پوتا ہر حال میں غریب، نادار اور بے کس و بے سہارا ہوتا ہے، حالاں کہ یہ دونوں باتیں پورے طور پر صحیح نہیں۔ بہت سے مواقع پر دادا خود غریب اور اپنے بیٹوں کے سہارے کا محتاج ہوتا ہے اور بہت سے مواقع ایسے بھی ہوتے ہیں جب پوتے کو کسی طرح کے مالی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیے کہ اسے اپنے باپ سے اچھی خاصی جائداد اور مال ملتا ہے۔

متبنّیٰ (لے پالک) کا مسئلہ

مسلمانوں کے عائلی قوانین میں ایک مسئلہ 'تبنّیت' کا بھی ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی کو بیٹا بنانا۔ جس شخص کو بیٹا بنایا جاتا ہے اسے 'متبنّیٰ' کہتے ہیں۔ کوئی شخص کسی لڑکے یا لڑکی کی پرورش اپنے ذمے لے، اس کی کفالت کرے اور تعلیم و تربیت اور نکاح کا خرچ

اٹھائے، اسلام اسے باعثِ اجر عمل قرار دیتا ہے۔ پھر زیر کفالت لڑکا یا لڑکی اگر یتیم ہو تو اس کی کفالت پر اللہ کے رسول ﷺ نے مزید اجر و ثواب کی خوش خبری دی ہے۔ آپؐ نے ایک مرتبہ اپنی دو انگلیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا، دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں ہیں۔'' (بخاری: ۵۳۰۴) لیکن ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام نسب کی حفاظت پر بہت زور دیتا ہے۔ اس کے نزدیک دوسرے کی اولاد کو اپنی حقیقی اولاد کی حیثیت دینا اور اس کی نسبت اپنی طرف کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں صریح طور پر ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَآءَ كُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ○ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

(الاحزاب: ۴، ۵)

''اور نہ اس نے تمھارے منہ بولے بیٹوں کو تمھارا حقیقی بیٹا بنا دیا ہے۔ یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم لوگ اپنے منہ سے نکال دیتے ہو، مگر اللہ وہ بات کہتا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔''

متبنّیٰ کو حقیقی اولاد کا درجہ دے دیا جائے تو اس کا اثر اسلام کے دیگر قوانین پر پڑتا ہے۔ مثلاً شوہر اور بیوی اگر لاولد ہوں تو میراث میں ان کا جو حصہ متعین کیا گیا ہے، صاحبِ اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ اس سے کم ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے لاولد ہونے کی صورت میں اس کے بعض رشتے دار وراثت میں حصہ پاتے ہیں اور اس کے صاحبِ اولاد ہونے کی صورت میں محروم رہتے ہیں۔ مثلاً اگر بہن لاولد ہو تو بھائی اس کا وارث ہوگا۔ اس کا اثر اسلام کے قانونِ نکاح پر بھی پڑے گا اور اس کے نتیجے میں متبنّیٰ کے لیے بھی وہ رشتے حرام قرار پائیں گے جن سے نکاح حقیقی اولاد کے لیے حرام تھا۔

انھی اسباب سے جب حکومتِ ہند نے ۱۹۷۲ء میں متبنّیٰ بل پیش کیا اور کوشش کی

کہ اس کا اطلاق مسلمانوں پر بھی ہو تو مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی اور اس پر سخت احتجاج کیا۔

مسلم پرسنل لا پر عمل ضروری کیوں؟

اہلِ ایمان سے دین کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ زندگی کے تمام معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کی بے چوں و چرا اطاعت کریں۔ جن کاموں کا انھیں حکم دیا گیا ہے، انھیں بجا لائیں اور جن کاموں سے روکا گیا ہے ان سے رک جائیں۔ اس دائرے میں عائلی زندگی بھی آتی ہے۔ احکام الٰہی پر سمع وطاعت کی روش اختیار کرنے والوں کو قرآن کامیاب قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○ (النور:۵۱،۵۲)

''ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں، تاکہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

اہلِ ایمان سے اس کا بھی تقاضا ہے کہ اگر ان کے درمیان کسی معاملے میں اختلاف اور تنازع پیدا ہو تو وہ اسے اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات، یعنی قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط (النساء:۵۹)

''پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔''

اگر اہلِ ایمان اپنے اختلافی معاملات میں قرآن وسنت کو حَکَم نہیں بنائیں گے، بلکہ انھیں اپنی خواہشات کے مطابق حل کرنے کی کوشش کریں گے، یا انسانوں کے بنائے

ہوئے قوانین سے مدد لیں گے تو ان کا ایمان معتبر نہیں ۔ جو لوگ ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں، لیکن اپنے باہمی اختلافات کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی روشنی میں حل کرنے کے بجائے دوسروں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کے فیصلوں کو تسلیم کرتے ہیں، قرآن میں ان کی سخت الفاظ میں مذمّت کی گئی ہے اور ان کے عمل کو باغیانہ اور ظالمانہ قرار دیا گیا ہے۔ (المائدۃ: ۴۴، ۴۵، ۴۷) اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مسلم پرسنل لا کے تحت آنے والے قوانین پر عمل کریں اور باہمی تنازع کی صورت میں انھیں چھوڑ کر دوسرے قوانین کی طرف رجوع نہ کریں۔

موجودہ حالات کی نزاکت اور ہماری ذمہ داریاں

موجودہ حالات ہندستانی مسلمانوں کے لیے بہت نازک ہیں۔ ایک طرف ملکی عدلیہ کی جانب سے وقتاً فوقتاً مخالفِ شریعت فیصلے کیے جاتے ہیں، دوسری طرف حکومت سے یکساں سول کوڈ تیار کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور حکومت بھی اس سلسلہ میں اپنا عندیہ ظاہر کرتی ہے، تیسری طرف فرقہ پرست تنظیمیں مسلم خواتین کی مظلومیت کی داستانیں گھڑ کر مسلم پرسنل لا کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتی رہتی ہیں۔ ایک طبقہ نام نہاد ترقی پسند مسلمانوں کا ہے، جو اسلام کے عائلی قوانین میں ترمیم اور اصلاح کی بات کرتا ہے اور نکاح، طلاق اور وراثت کے اسلامی قوانین کی نئے حالات کے لحاظ سے اپنی تعبیر و تشریح کی پرزور وکالت کرتا ہے۔ حالاں کہ یہ وہ احکام ہیں جن کا قیاس و اجتہاد سے تعلق نہیں ہے، بلکہ وہ قرآن و سنت میں منصوص ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔

ان نازک حالات میں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسلام دشمن سازشوں کو ناکام بنانے کی بھرپور جدوجہد کریں، تاکہ ہم زندگی کے تمام میدانوں میں اور خاص طور پر عائلی زندگی میں اسلامی تعلیمات و احکام پر بہ آسانی عمل کرسکیں۔ اس کے لیے ہمیں تین کام کرنے ہوں گے:

اوّل یہ کہ ہم اپنی اور اپنے سماج کی اصلاح کے لیے بھرپور جدوجہد کریں ۔ یہ

حقیقت ہے کہ مسلم سماج کا ایک بڑا حصہ اسلام کی بنیادی معاشرتی تعلیمات سے ناواقف ہے۔ خاندان کے افراد، بیوی، شوہر، اولاد، والدین اور دیگر رشتہ دار صحیح طریقے سے ایک دوسرے کے حقوق ادا نہیں کرتے، جس کی بنا پر ان کے درمیان تلخیاں پیدا ہوتی ہیں اور تنازعات سر ابھارتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم زندگی کے تمام معاملات میں اسلامی تعلیمات کو جانیں، اپنے دلوں میں ان پر عمل کے لیے آمادگی پیدا کریں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں اور دوسرے انسانوں کے حقوق خوش دلی سے ادا کریں۔ اس کے لیے مناسب ہے کہ فیملی کونسلنگ سینٹرس قائم کر کے صحیح رہ نمائی فراہم کی جائے۔

دوم یہ کہ ہم یہ طے کر لیں کہ اگر ہمارے درمیان عائلی اور دیگر معاملات میں تنازعات ابھریں گے تو ہم انھیں ملکی عدالتوں میں ہرگز نہیں لے جائیں گے، بلکہ دار القضا اور شرعی پنچایتوں کی طرف رجوع کریں گے اور وہاں سے اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے احکام اور تعلیمات و ہدایات کے مطابق جو فیصلے ہوں گے انھیں بہ خوشی قبول کریں گے۔ مسلمانوں کے سربرآوردہ لوگوں کی ذمے داری ہے کہ وہ ملک کے گوشے گوشے میں دار القضا اور شرعی پنچایتیں قائم کرنے کی کوشش کریں۔

سوم یہ کہ ہم برادرانِ وطن کو اسلامی عائلی قوانین کی اہمیت اور حکمتوں سے واقف کرائیں، تاکہ ان کی غلط فہمیاں دور ہوں۔

مسلم پرسنل لا کے موضوع پر

چند قابل مطالعہ کتابیں

اردو

۱- مسلم پرسنل لا کا مسئلہ: تعارف و تجزیہ، قاضی مجاہدالاسلام قاسمی، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، نئی دہلی

۲- مجموعہ قوانین اسلامی، تیار کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، نئی دہلی

۳- اسلام کا نظامِ میراث، مولانا عتیق احمد بستوی قاسمی، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، نئی دہلی

۴- خواتین کے مالی حقوق، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، نئی دہلی

۵- دستورِ ہند اور یونی فارم سول کوڈ، محمد عبدالرحیم قریشی، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، نئی دہلی

۶- حقوق الزوجین، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

۷- اسلام کے عائلی قوانین، مولانا سید احمد عروج قادری، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

۸- مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ، مولانا سید جلال الدین عمری
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

۹- قرآن کا نظامِ خاندان، مولانا سید جلال الدین عمری، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

۱۰- تعددِ ازواج - کب اور کس لیے؟، مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی

۱۱- طلاق- کیوں اور کیسے؟، ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی

۱۲- قرآن مجید کی عائلی تعلیمات، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

۱۳- اسلامی نظام وراثت میں عورت کا حصہ، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

۱۴- دارالقضا: ضرورت و اہمیت اور کرنے کے کام، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

ہندی

1. इस्लाम में औरत का स्थान और मुस्लिम पर्सनल लॉ. प्रो० उमर हयात खाँ ग़ौरी
मर्कज़ी मक्तबा इस्लामी पब्लिशर्स, नई दिल्ली-२५
2. बहुविवाह, मौलाना सय्यद हामिद अली
मर्कज़ी मक्तबा इस्लामी पब्लिशर्स, नई दिल्ली-२५

3. तलाक़ क्यों और कैसे? डा० फ़हीम अख़्तर नदवी
मर्कज़ी मक्तबा इस्लामी पब्लिशर्स, नई दिल्ली-२५
4. मीरास का बँटवारा और उसके हक़दार, मिर्ज़ा सुबहान बेग
मर्कज़ी मक्तबा इस्लामी पब्लिशर्स, नई दिल्ली-२५
5. क़ुरआन का ख़ानदानी निज़ाम, मौलाना सय्यद जलालुद्दीन उमरी
मर्कज़ी मक्तबा इस्लामी पब्लिशर्स, नई दिल्ली-२५
6. मुस्लिम पर्सनल ला और समान सिविल कोड,शम्स पीरज़ादा
मर्कज़ी मक्तबा इस्लामी पब्लिशर्स, नई दिल्ली-२५
7. मुस्लिम पर्सनल ला धार्मिक व सामुदायिक द्रष्टिकोण से, मौलाना सदरुद्दीन इस्लाही
मर्कज़ी मक्तबा इस्लामी पब्लिशर्स, नई दिल्ली-२५

انگریزی:

1. Muslim Personal Law and Uniform Civil Code,Shams Peerzada
MMI Publishers, New Delhi-25
2. Polygamy in Islamic Law, Gamal A. Badawi
MMI Publishers, New Delhi-25
3. Divorce in Islamic Perspective, Dr Muhammad Faheem Akhtar Nadwi
MMI Publishers, New Delhi-25
4. Property Rights of Muslim Womam, Dr. Muhammad Faheem Akhtar Nadwi, MMI Publishers, New Delhi-25
5. Muslim Personal Law (Papers and Proceedings of a Seminar)Editors: F. R. Faridi, M. N. Siddiqi, MMI Publishers, New Delhi-25
6. An Introduction to the Islamic Civil Code, Dr. Abdul Mughni
MMI Publishers, New Delhi-25
7. Family System in the Holy Quran, Maulana Sayyid Jalaluddin Umari
MMI Publishers, New Delhi-25
8. Rights of Muslim Women-A Critique of the Objection, Maulana Sayyid Jalaluddin Umari, MMI Publishers, New Delhi-25